قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (آل عمران 74)

روزنامہ

الفضل

لندن

مدیر: ابو سعید

Online Edition

157:شمارہ | 2:جلد | 09 ذوالقعدہ 1441ہجری قمری | بدھ یکم جولائی 2020ء

ارشاد باری تعالیٰ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ھَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ۔ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتُجَاھِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ۔ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۔ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَیُدۡخِلۡکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ۔ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ (الصّف:11تا13)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا مَیں تمہیں ایک ایسی تجارت پر مطلع کروں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے نجات دے گی۔ تم جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو اور اللہ کے رستے میں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں اور ایسے پاکیزہ گھروں میں بھی جو ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

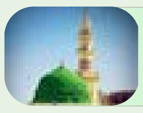

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

غزوۂ ذی قرد کے موقعے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک چشمے پر سے ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں پوچھا تو آپؐ کو بتایا گیا کہ اس کنویں کا نام بِیْسَانْ ہے اور یہ نمکین ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اس کا نام نُعْمَان ہے اور یہ میٹھا اور پاک ہے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ نے اس کو خرید ا اور وقف کر دیا۔ اس کا پانی میٹھا ہو گیا۔ جب حضرت طلحہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ واقعہ بتایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا طلحہ! تم تو بڑے فیاض ہو۔ پس ان کو ’طلحہ فیاض‘ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

موسیٰ بن طلحہ اپنے والد طلحہؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن حضرت طلحہ کا نام طَلْحَۃُ الْخَیْر رکھا۔ غزوۂ تبوک اور غزوۂ ذی قرد کے موقعے پر طَلْحَۃُ الْفَیَّاض رکھا اور غزوۂ حنین کے روز طَلْحَۃُ الْجُود رکھا۔ اس کا مطلب بھی فیاضی ہے، سخاوت ہے۔

(السیرۃ الحلبیۃ جلد ۳ صفحہ ۸۷۴ باب یذکر فیہ صفتہ ﷺ الباطنۃ۔۔۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۲ء)

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جزء ۳ صفحہ ۵۸ طلحہ بن عبید اللہ قریشی دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

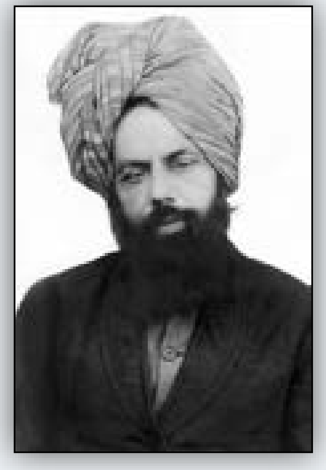

خدا کی راہ میں خرچ

’’مَیں اپنی جماعت کے محبت اور اخلاص پر تعجب کرتا ہوں کہ ان میں سے نہایت ہی کم معاش والے جیسے میاں جمال الدین اور خیرالدین اور امام دین کشمیری میرے گاؤں سے قریب رہنے والے ہیں۔ وہ تینوں غریب بھائی جو شاید تین آنے یا چار آنے روزانہ مزدوری کرتے ہیں سرگرمی سے ماہواری چندے میں شریک ہیں۔ ان کے دوست میاں عبدالعزیز پٹواری کے اخلاص سے بھی مجھے تعجب ہے کہ باوجود قلت معاش کے ایک دن سو روپیہ دے گیا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ خدا کی راہ میں خرچ ہو جائے۔ وہ سو روپیہ شاید اس غریب نے کئی برسوں میں جمع کیا ہو گا مگر للّٰہی جوش نے خدا کی رضا کا جوش دلایا‘‘۔

(ضمیمہ انجام آتھم۔ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 314-313)

’’میرے پیارے دوستو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے خدائے تعالیٰ نے سچا جوش آپ لوگوں کی ہمدردی کے لئے بخشا ہے اور ایک سچی معرفت آپ صاحبوں کی زیادت ایمان وعرفان کے لئے مجھے عطا کی گئی ہے۔ اس معرفت کی آپ کو اور آپ کی ذریت کو نہایت ضرورت ہے۔ سو مَیں اس لئے مستعد کھڑا ہوں کہ آپ لوگ اپنے اموال طیبہ سے اپنے دینی مہمات کے لئے مدد دیں اور ہر یک شخص جہاں تک خدا تعالیٰ نے اس کو وسعت و طاقت و مقدرت دی ہے اس راہ میں دریغ نہ کرے اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اموال کو مقدم نہ سمجھے۔ اور میں پھر جہاں تک میرے امکان میں ہے تالیفات کے ذریعہ سے ان علوم و برکات کو ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدا تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دی ہیں‘‘۔

(ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 516)

فرمان خلیفہ وقت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

جماعت کی انتظامیہ کو بھی کوشش کرنی چاہئے کہ تمام کمزوروں اور نئے آنے والوں کو بھی مالی قربانی کی اہمیت سے آگاہ کرے، ان پہ واضح کرے کہ کیا اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکموں سے ان کو آگاہی کرائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بارے میں جو ارشادات ہیں ان سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اگر نہیں کرتے تو پھر میرے نزدیک انتظامیہ بھی ذمہ دار ہے کہ وہ ان لوگوں کو نیکیوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول سے محروم کر رہے ہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا اس جہاد سے پھر نفس کے جہاد کی بھی عادت پڑے گی، اپنی تربیت کی طرف بھی توجہ پیدا ہو گی، عبادتوں کی بھی عادت پڑے گی۔

ایک روایت میں آتا ہے حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار نماز عید پڑھائی آپ کھڑے ہوئے اور نماز کا آغاز کیا اور پھر لوگوں سے خطاب کیا۔ جب فارغ ہو گئے تو آپ منبر سے اترے اور عورتوں میں تشریف لے گئے اور انہیں نصیحت فرمائی۔ آپ اس وقت حضرت بلالؓ کے ہاتھ کا سہارا لئے ہوئے تھے اور حضرت بلالؓ نے کپڑا پھیلایا ہوا تھا جس میں عورتیں صدقات ڈالتی جا رہی تھیں۔

(بخاری کتاب العیدین باب موعظۃ الامام النساء یوم العید حدیث نمبر۹۷۸)

تو یہ تھیں اس زمانے کی عورتوں کی مثالیں۔ اس زمانے میں بھی، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بھی ایسی عورتیں ہیں جو بے دریغ خرچ کرتی ہیں۔ حضرت مصلح موعود نے بھی کئی مثالیں دی ہیں۔ خلافت ثالثہ میں بھی کئی مثالیں ہیں۔ خلافت رابعہ میں بھی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ اب بھی کئی عورتیں ہیں جو قربانیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں، اپنے زیور اتار کر دے دیتی ہیں۔ تو جب تک عورتوں میں مالی قربانی کا احساس برقرار رہے گا اس وقت تک انشاء اللہ تعالیٰ قربانی کرنے والی نسلیں بھی جماعت احمدیہ میں پیدا ہوتی رہیں گی۔

یہ جو مَیں بار بار زور دیتا ہوں کہ نومبائعین کو بھی مالی نظام کا حصہ بنائیں یہ اگلی نسلوں کو سنبھالنے کے لئے بڑا ضروری ہے کہ جب اس طرح بڑی تعداد میں نومبائعین آئیں گے تو موجودہ قربانیاں کرنے والے کہیں اس تعداد میں گم ہی نہ ہو جائیں اور بجائے ان کی تربیت کرنے کے ان کے زیر اثر نہ آ جائیں۔ اس لئے نومبائعین کو بہرحال قربانیوں کی عادت ڈالنی پڑے گی اور نومبائع صرف تین سال کے لئے ہے۔ تین سال کے بعد بہرحال اُسے جماعت کا ایک حصہ بننا چاہئے۔ خاص طور پر نئی آنے والی عورتوں کی تربیت کی طرف بہت توجہ کی ضرورت ہے۔

(خطبہ جمعہ 6 جنوری 2006)

اس شمارہ میں

- تری محبت میں میرے پیارے ہر اک مصیبت اٹھائیں گے ہم
- اداریہ: پرہیز علاج سے بہتر ہے
- کیا حضرت آدمؑ دنیا کے پہلے انسان تھے؟
- انبیاء اور ترتیب قرآن حکیم

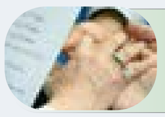

دربارِ خلافت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 22 مئی 2020 میں کورونا وبا کی وجہ سے دنیا کے موجودہ حالات کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

بعض لوگ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک مضمون 'حوادث طبعی یا عذاب الٰہی' کو لے کر آج کل جو وائرس کی وبا پھیلی ہوئی ہے اس سے ملانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے تبصرے بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضور انور نے نصیحت فرمائی:

بہر حال ہمارا کام دعا کرنا اور دنیا کو سمجھانا اور اپنی حالتوں کو پاک بنانا ہے۔

حضور انور کی اس نصیحت کی روشنی میں قارئین کی سہولت کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ نے جو دعائیں اس خطبہ میں بیان فرمائیں اور سامعین کو اپنے ساتھ دہرانے کا ارشاد فرمایا، پیش خدمت ہیں۔ خدا کرے کہ حضور انور کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے ہم دعا کرنے والوں، دنیا کو سمجھانے والوں میں اور اپنی حالتوں کو پاک بنانے والے ہوں۔ آمین

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

بعض اَور دعائیں بھی مَیں اس وقت پڑھوں گا وہ بھی آپ میرے ساتھ دہراتے رہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ۔ (سنن ابو داؤد کتاب الوتر باب مایقول الرجل اذا خاف قوما حدیث 1537)

ہم تجھے ان کے سینوں میں رکھتے ہیں یعنی تیرا رعب ان کے سینوں میں بھر جائے اور ہم ان کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔

(صحیح البخاری کتاب الدعوات باب الدعاء عند الکرب حدیث 6346)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عظمتوں والا اور بڑا ہی بردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی عرش کا رب ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو کہ آسمان و زمین اور عرش کریم کا رب ہے۔

یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ۔ (سنن الترمذی ابواب القدر باب ما جاء ان القلوب بین اصبعی الرحمٰن حدیث 2140)

اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔

اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی۔ (صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب فی الادعیۃ 2721)

اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، عفت اور غنیٰ مانگتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِیَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِیْعِ سُخْطِكَ۔ (صحیح مسلم کتاب الرقاق باب اکثر اھل الجنۃ الفقراء ...... الخ حدیث 2739)

اے اللہ! میں تیری نعمت کے زائل ہو جانے، تیری عافیت کے ہٹ جانے، تیری اچانک سزا اور ان سب باتوں سے پناہ مانگتا ہوں جن سے تُو ناراض ہو۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (الاعراف: 24)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تُو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور گھاٹا پانے والوں میں ہوں گے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَ ھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔ (آل عمران: 9)

اے ہمارے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دینا بعد اس کے جو تُو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے حضور سے رحمت عطا کرنا۔ یقیناً تُو بہت عطا کرنے والا ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (البقرۃ:202)

یعنی اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی کامیابی عطا کر اور آخرت میں بھی کامیابی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دعا ہے کہ

اے رب العالمین! مَیں تیرے احسانوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ تُو نہایت ہی رحیم و کریم ہے۔ تیرے بے غایت مجھ پر احسان ہیں۔ میرے گناہ بخش تا مَیں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ میرے دل میں اپنی خالص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو اور میری پردہ پوشی فرما اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تُو راضی ہو جائے۔ مَیں تیرے وجہِ کریم کے ساتھ اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو۔ رحم فرما، رحم فرما، رحم فرما اور دنیا و آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کیونکہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ آمین
(ماخوذ از مکتوباتِ احمدؑ جلد دوم صفحہ 159 مکتوب بنام حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ مکتوب نمبر 3)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

☆ ... ☆ ... ☆

تری محبت میں میرے پیارے ہر اک مصیبت اٹھائیں گے ہم

تری محبت میں میرے پیارے ہر اک مصیبت اٹھائیں گے ہم
مگر نہ چھوڑیں گے تجھ کو ہرگز نہ تیرے در پر سے جائیں گے ہم
تری محبت کے جرم میں ہاں جو پیس بھی ڈالے جائیں گے ہم
تو اس کو جانیں گے عین راحت نہ دل میں کچھ خیال لائیں گے ہم
سنیں گے ہرگز نہ غیر کی ہم نہ اس کے دھوکے میں آئیں گے ہم
بس ایک تیرے حضور میں ہی سر اطاعت جھکائیں گے ہم
جو کوئی ٹھوکر بھی مار لے گا اس کو سہہ لیں گے ہم خوشی سے
کہیں گے اپنی سزا یہی تھی زباں پہ شکوہ نہ لائیں گے ہم
ہمارے حالِ خراب پر گو ہنسی انہیں آج آ رہی ہے
مگر کسی دن تمام دنیا کو ساتھ اپنے رُلائیں گے ہم
ہوا ہے سارا زمانہ دشمن، ہیں اپنے بیگانے خوں کے پیاسے
جو تو نے بھی ہم سے بے رُخی کی تو پھر تو بس مر ہی جائیں گے ہم
یقیں دلاتے رہے ہیں دنیا کو تیری الفت کا مدتوں سے
جو آج تو نے نہ کی رفاقت کسی کو کیا منہ دکھائیں گے ہم
پڑے ہیں پیچھے جو فلسفے کے انہیں خبر کیا ہے کہ عشق کیا ہے
مگر ہیں ہم رَہروِ طریقت ثمارِ الفت ہی کھائیں گے ہم
سمجھتے کیا ہو کہ عشق کیا ہے یہ عشق پیار و کٹھن بلا ہے
جو اس کی فرقت میں ہم پہ گذری کبھی وہ قصہ سنائیں گے ہم
ہمیں نہیں عطر کی ضرورت کہ اس کی خوشبو ہے چند روزہ
بوئے محبت سے اس کی اپنے دماغ و دل کو بسائیں گے ہم
ہمیں بھی ہے نسبتِ تلمذ کسی مسیحاؑ نفس سے حاصل
ہوا ہے بے جان گو کہ مسلم مگر اب اس کو جِلائیں گے ہم
مٹا کے نقش و نگارِ دیں کو یونہی ہے خوش دشمنِ حقیقت
جو پھر کبھی بھی نہ مٹ سکے گا اب ایسا نقشہ بنائیں گے ہم
خدا نے ہے خضر رَہ بنایا ہمیں طریقِ محمدی کا
جو بھولے بھٹکے ہوئے ہیں ان کو صنم سے لاکر ملائیں گے ہم
ہماری ان خاکساریوں پر نہ کھائیں دھوکا ہمارے دشمن
جو دیں کو ترچھی نظر سے دیکھا تو خاک ان کی اُڑائیں گے ہم
مٹا کے کفر و ضلال و بدعت کریں گے آثارِ دیں کو تازہ
خدا نے چاہا تو کوئی دن میں ظفر کے پرچم اُڑائیں گے ہم
خبر بھی ہے کچھ تجھے او ناداں! کہ مردُمِ چشمِ یار ہیں ہم
اگر ہمیں کج نظر سے دیکھا تو تجھ پہ بجلی گرائیں گے ہم
وہ شہر جو کفر کا ہے مرکز ہے جس پہ دینِ مسیح نازاں
خدائے واحد کے نام پر اک اب اس میں مسجد بنائیں گے ہم
پھر اس کے مینار پر سے دنیا کو حق کی جانب بلائیں گے ہم
کلامِ ربِ رحیم و رحماں ببانگِ بالا سنائیں گے ہم

(کلام محمود)

اداریہ

پرہیز علاج سے بہتر ہے

جس طرح شخصیات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ’’قدر کھو دیتا ہے روز کا آنا جانا‘‘اسی طرح بعض محاورے (Proverbs) ایسے ہیں کہ جو کثرت استعمال سے یہ اپنی افادیت اور اہمیت کھو دیتے ہیں۔ جیسے مشہور ہے کہ ’’پرہیز علاج سے بہتر ہے‘‘۔

ویسے تو اس محاورہ کا استعمال جسمانی اور مادی بیماریوں کے حوالہ سے ہوتا ہے لیکن دیکھا جائے اور زندگی کے اونچ نیچ پر غور کیا جائے تو زندگی کے ہر موڑ پر اس کا استعمال بہتر نتائج پیدا کرسکتا ہے۔

جہاں تک جسمانی بیماریوں کا تعلق ہے تو پُرانے وقتوں میں حکماء اور اطباء یونانی دوا تجویز کرواتے وقت مریض کو بعض چیزوں سے پرہیز بتلایا کرتے تھے اور جب نسخہ جات کاغذ پر لکھنے کا دور آیا تو اطباء اسی نسخہ پر پرہیز لکھ دیا کرتے تھے۔ بعض حکماء نے Prescription پر ہی پرہیز کے لئے بعض اشیاء طبع کروائی ہوتی ہیں۔ اسی طریق پر ہومیوپیتھی اور ایلوپیتھی ڈاکٹرز عمل پیرا ہیں۔

مندرجہ بالا محاورہ میں جو سبق ہمیں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک انسان اپنی زندگی میں خود ہی ایسے پرہیز لازم کرے تا بیمار ہونے کی صورت میں کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کی نوبت نہ آئے مثلاً بسیار خوری سے پرہیز کیا جائے۔ وقفہ وقفہ کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھایا جائے۔ کسی خاص چیز کا کثرت سے استعمال نہ کیا جائے، معتدل غذائیں استعمال کی جائیں اور کھانے پینے میں اعتدال برتا جائے تا انسان بیماری میں مبتلا نہ ہو۔ بیمار ہونے کی صورت میں انسان خود تو disturb ہوتا ہی ہے ساتھ سارا خاندان بے چین ہوجاتا ہے۔ گھر کے کام اور دفتری امور میں تعطّل آتا ہے۔ ادویات پر خرچ اٹھتا ہے۔ ہسپتال جانے اور وہاں داخل ہونے کی صورت میں بے شمار امور پریشانی کا سبب بنتے ہیں اور بسا اوقات ہسپتال سے بعض بیماریوں کے جراثیم لگنے کا اندیشہ بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ جیسے آج کل Covid 19 میں دنیا بھر کے ڈاکٹر حضرات بعض امور کی طرف مسلسل توجہ دلا رہے ہیں۔ جیسے گھروں میں رہیں، عزیز واقارب اور دوستوں سے ملنے سے پرہیز کریں۔ Sanitizer ہاتھوں پر بار بار ملیں۔ Physical distancing کا خیال رکھیں۔ اگر کسی ضرورت کے پیش نظر گھر سے باہر جانا بھی پڑے تو ماسک پہن کر جائیں۔ کسی سے مصافحہ نہ کریں۔ یہ سب Covid19 کے جراثیم سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے پیش بندیاں ہیں۔ جن پر عمل کرکے انسان اس وباء سے بچ سکتا ہے۔ یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ کسی اور بیماری کے علاج کی خاطر ہسپتال گئے ہیں تو وہاں سے Covid 19 کا شکار ہو بیٹھے ہیں۔ جن لوگوں نے، جن قوموں نے اور جن ملکوں نے ابتداء سے ہی اس محاورہ ’’پرہیز علاج سے بہتر ہے‘‘ کو سمجھا ہے ان ممالک میں اموات (casualties) بہت کم ہوئی ہیں اور انہوں نے جلد اس بیماری پر قابو پالیا ہے۔ ان دنوں سوشل میڈیا پر بے شمار آڈیو اور وڈیو پیغام سننے کو مل رہے ہیں جس میں اس بیماری سے متاثر ہونے والے اکثر کہہ رہے ہیں کہ خدارا! اس بیماری کو آسان نہ لیں اور پرہیز کریں تا آپ اور آپ کے فیملی ممبرز بچ سکیں۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ اس محاورہ کو زندگی کے باقی امور میں بھی لاگو کریں تو زندگی معتدل رہتی ہے۔ اسی حوالہ سے بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں مگر ایک مثال پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ شادی بیاہ کے موقع پر بعض لوگ جہیز وغیرہ کے لئے اپنی طاقت سے بڑھ کر قرض لے لیتے ہیں جو بعد میں وبال جان بن جاتا ہے اور زندگی کا سکون اور چین ختم ہوجاتا ہے۔ اگر انسان اپنی طاقت میں رہتے ہوئے بساط کے مطابق بچی کو رخصت کرے تو اس کی باقی ماندہ زندگی اور خاندان محفوظ رہتا ہے۔ وگرنہ پہلا قرض اُتارنے کے لئے دوسرا قرض لینا پڑتا ہے۔ انسان اس لعنت میں جکڑتا چلا جاتا ہے جو اپنی ذات میں ایک بیماری ہے۔ جس سے محفوظ رہنے کے لئے پرہیز لازم ہے۔

انسان کی روحانی زندگی کے بعض پہلوؤں کی طرف بھی یہ مثال خوب روشنی ڈالتی ہے۔ کیونکہ مادی اور روحانی زندگی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس کا کچھ حصہ گزشتہ ایک آرٹیکل میں خاکسار بیان کرآیا ہے۔ اس محاورہ کو اگر ہم اپنی روحانی زندگیوں پر لاگو کریں تو پرہیز کو ہم ’’تقویٰ‘‘ کے لفظ میں بیان کرسکتے ہیں۔ جس کے معنی کسی چیز سے بچنے کے ہیں۔ یہ بنیادی سبق ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار اور سیدنا حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفی ﷺ نے اپنے عمل و سنت اور اقوال سے امت کو دیا ہے۔ انسانوں میں معزز ہونے کو بھی تقویٰ سے باندھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ (الحجرات:14)

کہ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے۔

نکاح کے موقعہ پر بھی جن آیات کا انتخاب کیا گیا ہے ان میں 5 بار تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین ملتی ہے۔ یہ دراصل بعد میں پیدا ہونے والی بیماریوں سے بچنے کے لئے پرہیز ہی ہے ورنہ انسان ایک ایسے مرض لاعلاج میں مبتلا ہوجاتا ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ اگر علاج ہے تو وہ بھی خدا کا خوف دلوں میں پیدا کرنے، اس سے معافی مانگنے، اس کی طرف جھکنے اور تقویٰ کی باریک راہوں کو اپنانے میں ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی نے 99 قتل کئے اور اس کے دل میں ندامت پیدا ہوئی تو اس نے اپنے علاقے کے سب سے بڑے عالم کے پاس جاکر اس گناہ سے توبہ کرنے کے بارہ میں پوچھا۔ اس بزرگ عالم نے کہا کہ ایسے شخص کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوسکتی۔ اس پر اس نے اس کو بھی قتل کردیا اور یوں قتل کی ایک سنچری بنا ڈالی۔ تب اسے کسی اور بزرگ کا بتایا گیا اور وہ اس کی طرف چل دیا۔ راستے میں اسے موت نے آلیا۔ جنت (رحمت) اور عذاب کے فرشتے آن پہنچے۔ جنت کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے سچی اور حقیقی توبہ کرلی تھی اس لئے یہ جنتی ہے اور عذاب کے فرشتے کہنے لگے کہ 100 افراد کے قاتل کو معافی نہیں مل سکتی۔ دونوں کے درمیان جھگڑا ہورہا تھا کہ ایک فرشتہ انسانی صورت میں آیا جسے ان دونوں نے اپنا ثالث بنالیا۔ اس ثالث نے دونوں فاصلوں کو یعنی طے شدہ فاصلہ اور طے ہونے والے فاصلہ کو ماپا تو طے شدہ فاصلہ زیادہ نکلا تو اس شخص کو جنت کے فرشتوں کے سپرد کردیا گیا۔ (صحیح مسلم، کتاب التوبۃ)

روحانی زندگی میں پرہیز بھی تقویٰ سے ہے اور بیماری کا علاج بھی تقویٰ سے ہے۔ اس لئے ہمیں ہردم تقویٰ کو اپنی زندگیوں میں حرز جان بنانا چاہئے تاہم اللہ کے راضی باقضا بندے بن سکیں۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف انداز میں مختلف مواقع پر تقویٰ کی وضاحت کی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس زمانے کا حصنِ حصین ہیں۔ وہ مضبوط جائے پناہ اور قلعہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی پاکر اسلام کی حقیقی تعلیم ہم پر واضح کرکے بڑے درد سے ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے دکھا کر اس جائے پناہ میں داخل ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پس ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم جو اس بات کا عہد کرکے آپؑ کی جماعت میں شامل ہوئے ہیں کہ آپؑ کی باتوں کو سن کر اس پر عمل کریں گے، اس عہد کو پورا کریں جو ہم نے آپؑ سے کیا ہے۔ آپؑ کے درد سے پُر الفاظ پر غور کرکے ان پر عمل کریں اور جہاں ہم عہدوں کو پورا کرنے والے بنیں وہاں اپنی دنیا وعاقبت بھی سنوارنے والے بن جائیں۔........ پھر فرماتے ہیں آپؑ ’’کوئی پاک نہیں بن سکتا جب تک خدا تعالیٰ نہ بناوے۔ جب خدا تعالیٰ کے دروازہ پر تذلّل اور عجز سے اس کی روح گرے گی تو خدا تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے گا اور وہ متقی بنے گا اور اس وقت وہ اس قابل ہوسکے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو سمجھ سکے۔ اس کے بغیر جو کچھ وہ دین کرکے پکارتا ہے اور عبادت وغیرہ کرتا ہے وہ ایک رسمی بات اور خیالات ہیں کہ آبائی تقلید سے سن سنا کر بجالاتا ہے۔‘‘ باپ دادا کررہے تھے تو میں بھی کررہا ہوں ’’کوئی حقیقت اور روحانیت اس کے اندر نہیں ہوتی۔‘‘

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 228 ایڈیشن 1984ء)

پس یہ ہیں وہ معیارِ تقویٰ اور یہ ہے وہ دین کو جاننے، سمجھنے اور عمل کرنے کا معیار جسے حاصل کرنے کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں توجہ دلائی اور جس کی ہمیں کوشش کرنی چاہیے اور اپنے عملوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی سے جھک کر اس کی مدد مانگنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ ہمیں ان معیاروں کو حاصل کرنے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توقعات پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہی تقویٰ ہے۔‘‘

(خطبہ جمعہ، 24 اپریل 2020ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل لندن 15 مئی 2020ء)

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

☆...☆...☆

کیا حضرت آدمؑ دنیا کے پہلے انسان تھے؟

(عدنان اشرف ورک)

وَاِذقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلآئِكَةِ اِنِّي جاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةً

(سورة بقرة 31)

قرآن کریم کی اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کے خلیفہ بنائے جانے کا ذکر ہے اس حوالے سے عوام الناس میں بہت غلط اور مبہم عقائد پائے جاتے ہیں عموماً لوگ سمجھتے ہیں کہ جس آدم کو اللہ نے خلیفہ بنانے کا کہا ہے وہ دنیا کا پہلا انسان بھی تھا۔ آدم اور اس کی بیوی حوا کو اللہ تعالی نے سب سے پہلے پیدا کیا اور ساری دنیا بس ان دو انسانوں سے ہی آگے چلی۔ اس غلط عقیدے کے پھیلنے کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ پہلے انسان یا پہلے انسانوں کے لیے بھی آدم کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور پہلے نبی کے لئے بھی آدم کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے اس لئے لوگوں نے پہلے نبی یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کا پہلا انسان سمجھ لیا۔ یہ عقیدہ قرآن کریم سے ہی غلط ثابت ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم نے انسانی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کو الگ الگ بیان کیا ہے قرآن کریم فرماتا ہے کہ انسان کی پیدائش مختلف ادوار میں ہوئی ہے اور مختلف ادوار میں اس کی مختلف صورتیں اور حالتیں رہی ہیں اور جہاں بھی انسان کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے وہاں آدم کو نہیں بلکہ جنس انسان کو مخاطب کیا گیا ہے یعنی ان مختلف ادوار میں صرف ایک انسان نہیں بلکہ حسب منشاء الٰہی کئی انسان مرد و عورت پیدا کئے گئے۔ خاکسار اس مضمون میں صرف اس مسئلے کے حل تک محدود رہے گا کہ سورۃ بقرہ آیت نمبر 30 میں مذکور آدم پہلا انسان نہیں تھا بلکہ پہلے نبی تھے، نیز انسانی پیدائش کے متعلق قرآنی نظریہ کیا ہے اور یہ سارا مضمون حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور خلفاء کرام کے تفسیری فرمودات پر مبنی ہوگا۔ انشاء اللہ

کیا یہ لوگ جو دنیا کے مختلف حصوں امریکہ آسٹریلیا وغیرہ میں پائے جاتے ہیں یہ اس آدم کی اولاد سے ہیں؟

حکم و عدل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا اس حوالے سے فرمان ہے یہ ایک مکالمہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ایک آسٹریلوی اسٹرانومسٹ کے درمیان ہوا اس نے حضور سے سوال کیا کہ بائبل میں لکھا ہے کہ آدم یا یوں کہئے کہ پہلے انسان جیجون سیحون میں پیدا ہوا تھا اور اسکا وہی ملک تھا تو پھر کیا یہ لوگ جو دنیا کے مختلف حصوں امریکہ آسٹریلیا وغیرہ میں پائے جاتے ہیں یہ اس آدم کی اولاد سے ہیں؟ حضور علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا ’’ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی اس مسئلے میں توریت کی پیروی کرتے ہیں کے چھ سات ہزار سال سے ہیں جب سے یہ آدم (یعنی پہلا نبی) پیدا ہوا تھا۔ اس دنیا کا آغاز ہوا ہے اور اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھا اور خدا گویا معطل تھا اور نہ ہی ہم اس بات کے مدّعی ہیں کہ یہ تمام نسل انسانی جو اس وقت دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہے یہ اسی آخری آدم کی نسل ہے ہم تو اس آدم سے پہلے بھی نسل انسانی کے قائل ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف کے الفاظ سے پتہ لگتا ہے خدا نے یہ فرمایا کہ اِنِّي جاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خليفةً۔ خلیفہ کہتے ہیں جانشین کو۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کے آدم سے پہلے بھی مخلوق موجود تھی پس امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ کے لوگوں کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس آخری آدم کی اولاد میں سے ہیں یا کسی دوسرے آدم کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے سوال کے مناسب حال ایک قول حضرت محی الدین ابن عربی صاحب کا ہے وہ لکھتے ہیں کہ (کشف\خواب میں) میں حج کرنے کے واسطے گیا تو وہاں مجھے ایک شخص ملا جس کو میں نے خیال کیا کہ وہ آدم ہے میں نے اس سے پوچھا کیا تو ہی آدم ہے؟ اس پر اس نے جواب دیا کہ تم کون سے آدم کے متعلق سوال کرتے ہو آدم تو ہزاروں گزرے ہیں۔‘‘

(الحکم جلد 12 ۔ 30مئی 1908)

اس آدم علیہ السلام سے پہلے ہزار در ہزار آدم گزر چکے ہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ’’غرض اس زمین کے تمام مقدس فرشتوں کے مقدس گروہ نے آدم علیہ السلام سے پہلی قوموں کی بد اطواری اور کافروں، ڈشتوں، ویسیوں، شیطانوں اور آمروں کے برے کام اور بد چلنی دیکھی ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔ (فرشتے) غلطی سے سمجھ بیٹھے کہ یہ آدم بھی آدم ہے پہلی قوموں کی طرح فساد قتل اور سفک دماء نہ کرے‘‘ نیز حضور لکھتے ہیں ’’اور امام الائمہ حضرت سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے جیسے تفسیر کبیر میں لکھا ہے اس آدم علیہ السلام سے پہلے ہزار در ہزار آدم گزر چکے ہیں۔‘‘

(تصدیق براہین احمدیہ ص119 تا127)

حضرت آدم علیہ السلام روحانی لحاظ سے ابو البشر ہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اس فرق کو بڑے شرح وبسط کے ساتھ تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں ’’قرآن کریم کے نزدیک بشر کی پیدائش یکدم نہیں ہوئی اور آدم علیہ السلام سے اس کی ابتدا نہیں ہوئی بلکہ آدم علیہ السلام بشر کی اس حالت کے پہلے ظہور تھے جب سے وہ حقیقی طور پر انسان کہلانے کا مستحق ہوا اور شریعت کا حامل ہونے کے قابل ہوا اور اس وجہ سے گو آدم علیہ السلام روحانی لحاظ سے ابو البشر ہیں کیوں کہ روحانی دنیا کی ابتدا ان سے ہوئی اور وہ پہلے ملہم انسان تھے مگر جسمانی لحاظ سے ضروری نہیں کہ وہ سب موجودہ انسانوں کہ باپ ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ حصہ انسانوں کا ان دوسرے بشروں کی اولاد ہو جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں موجود تھے۔‘‘

(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ 294،295)

انسانی پیدائش کے متعلق قرآنی نقطہ نظر

اس ضمن میں بہتر یہ ہوگا کہ پہلے انسانی پیدائش کے متعلق قرآنی نقطہ نظر کو بیان کیا جائے اس حوالے سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے تفسیر کبیر میں قرآنی آیات کی روشنی میں انسانی پیدائش کے مختلف ادوار کو بیان کیا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الہام عقل علم اور سچائی کے حصہ پنجم صفحہ 293 تا 237 میں ان قرآنی آیات کے مطابق سائنسی تحقیقات کو بیان کیا ہے لیکن یہاں صرف انسانی پیدائش کے متعلق قرآنی آیات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے گا تا مضمون طویل نہ ہو۔

اللہ تعالی قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِن قَبلُ مِنْ نَّارِالسَّمُوم (الحجر 28) یعنی انسانی حیات کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالی نے جن یعنی بیکٹیر یا وغیرہ کو سموم یعنی ایسی آگ جس میں دھواں نہ ہو سے پیدا کیا اس آگ سے مراد سورج کی وہ ڈائریکٹ شعاعیں تھیں جو اس وقت یعنی کروڑوں اربوں سال پہلے اوزون کی تہہ نہ ہونے کی وجہ سے ڈائریکٹ زمین پر پڑتی تھیں اور ایک زبردست تابکاری عمل پیدا ہوتا تھا جس کے نتیجہ میں یہ بیکٹیر یاز پیدا ہوئے اور ان کو اپنی زندگی کا وجود قائم رکھنے کے لئے بھی توانائی کی ضرورت رہتی تھی سورۃ رحمان میں بھی اسکا ذکر ہے فرمایا وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّن نَّار اور جِنّوں یعنی بیکٹیر یاز کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ڈکرسن اور ووز سائنسدان جو ماہر حیاتیات ہیں ان کی تحقیقات اس قرآنی مؤقف کی تائید کرتی ہیں اور یہ بیکٹیر یاز یقینا انسانی پیدائش کے ابتدائی تخلیقی عمل میں معاون ثابت ہوئے ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالی انسانی تخلیقی عمل کے پہلے مرحلے کو بیان کرتا ہے ’’وَاللّٰهُ خَلَقَكُم مِن تُرَابٍ (فاطر 12) اللہ تعالیٰ نے تم کو خشک مٹی سے پیدا کیا ہے یعنی ایک وقت انسان پر ایسا آیا کہ اس کا ذرہ حیات خشک مٹی میں ملا ہوا تھا (2) اَلَّذِی اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَه وَبَدَءَخَلْقَ الْاِنْسانَ مُن طِينٍ (السجدۃ 8) وہ خدا ہی ہے جس نے ہر چیز جو اس نے بنائی ہے اس میں اس کی ضرورت کے مطابق نہایت اچھی طاقتیں رکھی ہیں اور انسانی پیدائش کی ابتدا پانی ملی ہوئی مٹی سے کی ہے یعنی خشک مٹی جس میں ذرہ حیات تھا اس میں اس نے پانی ملایا اور ذرہ حیات کے نشوونما کے سامان پیدا کئے۔ قرآن کریم سے ظاہر ہے کہ ذرہ حیات کی نشوونما کا زمانہ وہ ہے جب مٹی میں پانی ملا چنانچہ فرماتا ہے وجَعَلْنا مِنَ الْماَءِ كُلَّ شَيئٍ حَيٍّ اَفَلا يُؤمِنون (انبیاء 31) ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی ہے پھر کیا وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اس آیت سے ظاہر ہے کہ حیات یعنی زندگی اور اس کے نشوونما کا تعلق پانی سے ہے پس جب تراب کے بعد طین سے انسانی پیدائش کا ذکر کیا تو اس طرف اشارہ کیا کہ زرہ حیات کی نشوونما کا زمانہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ پانی مٹی سے ملا اور اس میں نشوونما کی طاقت پیدا ہوئی۔‘‘ (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ 291 292)۔ پھر فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسانَ مِن صَلْصَالٍ مِن حَمَاٍ مَّسْنون۔ وَالجَآنَّ خَلَقْناه مِن قبلُ مِن نَّارِالسَّمُوم۔ واذقال رَبُّكَ لِلْمَلآئِكَةِ اِنی خالق۔ بشرًامن صَلصَالٍ من حَمَاٍمَسْنون (الحجر: 27 تا 29) ترجمہ: اور یقیناً ہم نے انسان کو گلے سڑے کیچڑ سے بنی ہوئی خشک کھنکتی ہوئی ٹھیکریوں سے پیدا کیا ہے اور جنوں (یعنی بیکٹیر یاز) کو ہم نے اس سے پہلے سخت گرم ہوا کی آگ سے بنایا اور یاد کر جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں گلے سڑے کیچڑ سے بنی ہوئی خشک کھنکتی ہوئی ٹھیکریوں سے بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ یعنی تیسرے مرحلے میں وہ مٹی جس میں پانی ملا ہوا تھا وہ ان بیکٹیر یاز کی وجہ سے جو اللہ تعالی نے پیدا کیے تھے گلی سڑی شکل اختیار کر گیا پھر وہ گلا سڑا مادہ خشک ہو کر کھنکتی ہوئی ٹھیکریوں کی شکل اختیار کر گیا جیسے آجکل مٹی کے برتن ہوتے ہیں پھر اللہ تعالی فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتاً (نوح 18) اور اللہ نے تمہیں زمین سے نباتات کی طرح اُگایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ’’یہ محض محاورہ نہیں بلکہ درحقیقت انسانی پیدائش کو ایک ایسے دور میں سے گزرنا پڑا ہے کہ وہ محض نباتات کی صورت میں تھی اور دوسری آیات میں اس منظر کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ لَمۡ

یَکُنۡ شَیۡـًٔا مَّذۡکُوۡرًا (الدھر 2) یعنی انسان اپنی پیدائش میں ایسی منزل سے بھی گزرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا اس میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جب انسانی تخلیق نباتاتی دور میں سے گزر رہی تھی تو اس میں آواز نکالنے یا آواز سننے کے حواس پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اس نباتاتی زندگی پر مکمل خاموشی طاری تھی۔‘‘

(ترجمہ القرآن حضرت خلیفہ المسیح الرابعؒ۔فٹ نوٹ ص1081)

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَہٗ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ (سجدہ 9) پھر اس کی نسل کو ذلیل سمجھے جانے والے پانی کے خلاصے یعنی نطفہ سے چلانا شروع کیا۔یعنی انسان نے مختلف ارتقائی مراحل طے کر کے موجودہ انسانی شکل اختیار کی اور اس کے بعد انسانی پیدائش کا سلسلہ پانی ملے مٹی سے نہیں بلکہ نطفے یعنی میاں اور بیوی کے ملاپ سے شروع ہوا حضرت خلیفہ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس وقت انسان کی پیدائش نطفہ سے ہونا شروع ہوگئی تھی، لیکن اس نطفہ میں وہ صلاحیتیں موجود نہیں تھیں کہ عقل وشعور والے انسان کو پیدا کرتا۔یعنی انسان تب انسانی شکل میں ہونے کے باوجود جانوروں کی طرح عقل سے عاری تھا اور میاں بیوی کے ملاپ سے فہم وفراست سے عاری انسان پیدا ہوتے تھے بالآخر انسان کے نطفہ نے بھی اپنا ارتقائی مرحلہ طے کیا اور عقل وشعور والے انسان پیدا ہونے شروع ہوئے۔اس حوالہ سے قرآن کریم فرماتا ہے اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ اَمۡشَاجٍ نَّبۡتَلِیۡہِ فَجَعَلۡنٰہُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا (الدھر 2) یعنی انسان کو ہم نے مختلف طاقتوں والے نطفے سے پیدا کیا تا کہ ہم اس کو آزمائیں پس ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا یعنی سمجھ بوجھ اور عقل شعور رکھنے والا بنا دیا اور یہی وہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے سب سے کامل انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت سونپی۔

پہلا نبی نہ کہ پہلا انسان

اب اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی سورۃ بقرۃ آیت 31 میں جس آدم کا ذکر ہے وہ پہلا نبی تھا نہ کہ پہلا انسان اور اس وقت اور انسان بھی موجود تھے وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً اول تو اس آیت میں جَاعِلٌ کا لفظ آیا ہے خَالِقٌ کا نہیں آیا یعنی میں خلیفہ بنانے والا ہوں خلیفہ پیدا کرنے والا نہیں کہا اور خلیفہ کہتے ہیں خدا کے نمائندے یعنی نبی کو اور نبی ہمیشہ بگڑے انسانوں کی اصلاح کے لئے آتے ہیں۔ خالی زمین پر اکیلے نبی کو پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض پیدا ہوتا ہے پھر اسی آیت میں آدم کی زوج یعنی بیوی کا بھی ذکر ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے (بیوی) سے استنباط کیا ہے کہ یہ پہلے انسان کے متعلق آیت نہیں ہے بلکہ پہلے نبی کے متعلق ہے کہ جس کی بیوی بھی تھی۔ اس کے علاوہ زوج کا ایک مطلب ساتھی یا قوم کے بھی ہوتے ہیں یعنی اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھی یا قوم بھی موجود تھی پھر جہاں پر حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالے جانے کا ذکر ہے وہاں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے یعنی اکیلے حضرت آدم یا ان کی بیوی کو نہیں نکالا گیا بلکہ اور لوگ بھی موجود تھے اِہۡبِطُوۡا مِنۡہَا جَمِیۡعًا (بقرۃ 39) پھر سورۃ الحجر میں ہے کہ جنت سے نکالے جانے کے بعد شیطان آدم اور حوا کو نہیں بلکہ زیادہ انسانوں کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ پھر سورۃ اعراف 12 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰکُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰکُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ۔ اس آیت میں کُمۡ کا لفظ یعنی جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے یعنی شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تم زیادہ انسانوں کو پیدا کیا پھر ہم نے تم زیادہ انسانوں کو اعلیٰ قوتیں بخشی پھر ان انسانوں میں سے زیادہ کامل انسان کو خلیفہ بنایا اور فرشتوں کو اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تفسیر کبیر جلد اول صفحہ 296اور 297 میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض لوگ قرآن کریم کی ان دو آیات سورۃ الحجر 29،30 ’’وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ۔فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ‘‘ اور سورۃ ص 72،73 ’’اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ۔فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ‘‘ سے یہ اِستدلال کرتے ہیں کہ پہلا بشر حضرت آدم علیہ السلام ہی تھے کیوں کہ پہلے بشر کی پیدائش کا ذکر کر کے فرشتوں کو اُس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے اور ظاہر ہے کہ سجدے کا حکم حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ہی تھا حضور فرماتے ہیں کہ یہاں آدم کا نہیں بلکہ بشر کی پیدائش کا ذکر ہے اور مضمون آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بشر کی پیدائش کے وقت فرشتوں کو بتا دیا تھا کہ میں بشر پیدا کرنے والا ہوں اور جب بشر اپنی پیدائش کے مراحل مکمل کر کے میرا الہام پانے کے قابل ہو جائیں گے تو تم اس کی تائید میں لگ جانا اور سورۃ سجدۃ 9،10 آیت میں ہے کہ ’’وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ۔ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَہٗ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ۔ ثُمَّ سَوّٰىہُ وَنَفَخَ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِہٖ‘‘ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کے کلام الٰہی نطفہ سے پیدا ہونے والے انسان پر ہوا نہ کے اس ابتدائی انسان پر جو گیلی مٹی سے بنا تھا اور نطفہ سے پیدا ہونے والا انسان وہی ہوسکتا ہے جس کے پہلے ماں باپ موجود ہوں اور جس کے ماں باپ موجود ہوں وہ پہلا انسان نہیں کہلا سکتا۔

ہم نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا

اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ پھر قرآن کریم میں یہ کیوں آیا ہے کہ ہم نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور حدیث میں یہ کیوں آیا ہے کہ عورت کو مرد کی پسلی سے پیدا کیا گیا مثلاً سورۃ النساء آیت 2 میں لکھا ہے ’’یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا‘‘ حضرت خلیفہ ثانیؓ فرماتے ہیں’’اس سے صرف یہ مراد ہے کہ ایک انسان سے بڑی بڑی اقوام پیدا ہوجاتی ہیں اور اولاد اپنے ماں باپ کے اثر کو قبول کر کے وہ کافر ہوں تو کافر مشرک ہوں تو مشرک اور موحّد ہوں تو موحّد ہو جاتی ہیں پس شادی کرتے ہوئے انسان کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے اور اپنی اولاد کی تربیت کا خاص خیال رکھنا چاہیے یہ نہ ہو کے ماں باپ کی غلطیاں اولاد میں پیدا ہو کر ہزاروں لاکھوں انسان گند میں مبتلا ہو جائیں یہ جو فرمایا وَجَعَلَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اس کی قسم سے اس کا جوڑا بنایا یعنی بیوی اور میاں ایک ہی جنس میں سے ہوتی ہیں۔‘‘

(تفسیر کبیر جلد اول 302)

اس آیت کا ایک یہ بھی مطلب ہے کہ تمام انسانوں کو ایک ہی قسم کی جنس سے پیدا کیا گیا ہے اس لئے کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں۔یعنی ایسا نہیں کہ عجمی کو کسی غیر انسانی جنس سے پیدا کیا گیا ہے اور عربی کو انسانی جنس سے یا عربی کو غیر انسانی جنس سے اور عجمی کو انسانی جنس سے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اس آیت کی جو تشریح فرمائی ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں تخلیق انسان کا ایک راز کھولا گیا ہے۔ شروع میں انسان کی پیدائش ایک سیل سے ہوئی ہے اور اس سیل کو قرآن کریم نے نفس واحدۃ یعنی مادہ سیل کہا ہے اور اس مادہ سیل سے اس کا نر سیل پیدا ہوا اس سے یہ بات بھی غلط ثابت ہوتی ہے کہ عورت مرد کی پسلی سے پیدا ہوئی کیونکہ قرآن کریم کے مطابق جو پہلا سیل تھا وہ مادہ تھا نر نہیں تھا اور آج کی سائنس بھی اس بات کو ثابت کرتی ہے۔عورت کی پسلی سے پیدا ہونے والی حدیث یوں ہے’’اِسۡتَوۡصُوۡا بِالنِّسَآءِ فَاِنَّ الۡمَرۡأَۃَ خُلِقَتۡ مِنۡ ضِلَعٍ (مسلم۔ باب الوصیہ بالنساء) یعنی عورتوں سے نیک سلوک کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اول تو اس حدیث میں پہلی عورت کے متعلق نہیں بلکہ تمام عورتوں کے متعلق عموماً کہا گیا ہے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں یہ عربی کا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس میں پسلی جیسا مزاج ہے اور پسلیاں ٹیڑھی ہوتی ہیں یعنی عورتوں میں ٹیڑھا پن یعنی نزاکت نخرے کی فطرت پائی جاتی ہے۔ آخر پر یہ بیان کرنا چاہوں گا کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ اور خلفاء کرام کے بعض اقتباسات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان تھے اسکی وضاحت یہ ہے کہ آدم کا لفظ پہلے انسان یا انسانوں کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اس لئے بعض اقتباسات میں آدم کا لفظ بطور پہلے انسان یا بعض جگہ پر انسانی پیدائش کی ابتداء سے لے کر آدم کے خلیفہ بننے تک کے مرحلے کا اِجمالاً اکٹھا ذکر کیا گیا ہے یا کوئی اور تفسیری نقطہ بیان کیا گیا ہوگا۔

☆...☆...☆

آج کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ قَلۡبٍ لَّا یَخۡشَعُ، وَمِنۡ دُعَاءٍ لَّا یُسۡمَعُ وَمِنۡ نَفۡسٍ لَّا تَشۡبَعُ، وَمِنۡ عِلۡمٍ لَّا یَنۡفَعُ، اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ ھٰٓؤُلَآءِ الۡاَرۡبَعِ (ترمذی کتاب الدعوات)

ترجمہ: ’’اے اللہ میں تجھ سے ایسے دل سے پناہ مانگتا ہوں جس میں عاجزی اور انکساری نہیں، اور ایسی دعا سے پناہ مانگتا ہوں جو مقبول نہ ہو، اور ایسے نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو، اور ایسے علم سے جو کبھی فائدہ نہ دے۔ میں ان چاروں سے تیری پناہ مانگتا ہوں‘‘۔

یہ پیارے رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ناپسندیدہ اخلاق سے بچنے کی جامع دعا ہے۔

ہمارے پیارے امام حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ 10 ستمبر 2010 میں جماعت کو اس دعا کے پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

(مرسلہ: قدسیہ محمود سردار)

حوادث طبعی یا عذاب الٰہی

(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ)

(قسط دوم)

عذاب الٰہی کی قسمیں

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے قرآن کریم کی رو سے تمام مادی تغیرات کومشیت الٰہی کے ماتحت عذاب کا ذریعہ بھی بنایا جاسکتا ہے اور انعام کا بھی۔ جہاں تک عذاب کا تعلق ہے تو۔ عذاب کی حسب ذیل صورتوں کا قرآن کریم میں واضح ذکر موجود ہے:

(1) مسلسل شدید بارشیں اور زمین کے پانی کی سطح کا بلند ہونا جس کے نتیجہ میں ایسا ہولناک سیلاب ظاہر ہو کہ علاقہ کی تمام آبادی غرق ہوجائے۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ۔ فَفَتَحۡنَاۤ اَبۡوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنۡهَمِرٍ۔ وَّ فَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُیُوۡنًا فَالۡتَقَی الۡمَآءُ عَلٰۤی اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ (سورۃ القمر، آیت 11-13)

ترجمہ: آخر اس (نوحؑ) نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا مجھے دشمن نے مغلوب کرلیا ہے پس تو میرا بدلہ لے۔ جس پر ہم نے بادل کے دروازے ایک جوش سے بہنے والے پانی کے ذریعے کھول دیئے اور زمین میں بھی ہم نے چشمے پھوڑ دیئے۔ پس (آسمان کا) پانی (زمین کے پانی کے ساتھ) ایک ایسی بات کے لئے اکٹھا ہوگیا جس کا فیصلہ ہوچکا تھا۔

(2) ایسی منحوس تیز ہواؤں کا چلنا جو مسلسل جاری رہیں یہاں تک کہ آبادیاں ویران ہوجائیں اور انسانی لاشیں ٹوٹے ہوئے درختوں کی طرح ہر طرف بکھری ہوئی دکھائی دیں۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیۡ وَنُذُرِ۔ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ رِیۡحًا صَرۡصَرًا فِیۡ یَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ۔ تَنۡزِعُ النَّاسَ ۙ کَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ مُّنۡقَعِرٍ (سورۃ القمر، آیت 19-21)

ترجمہ: عاد قوم نے بھی اپنے رسول کا انکار کیا تھا پھر دیکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر ایک ایسی ہوا بھیجی جو تیز چلنے والی تھی اور ایک دیر تک رہنے والے منحوس وقت میں چلائی گئی تھی وہ لوگوں کو اس طرح اکھیڑ پھینکتی تھی گویا وہ کھجور کے ایسے تنے ہیں جن کے اندر کا گودا کھایا ہوا تھا۔

(3) زمین یا آسمان سے ایسی خوفناک گرج یا دھماکوں کا ظاہر ہونا جن کے نتیجہ میں آسمان پتھر برسانے لگے مثلاً آتش فشاں پہاڑوں کے اچانک پھٹنے سے قریب کی بستیوں کا جو حال ہوتا ہے بعینہ اس قسم کی حالت کا ذکر عذاب الٰہی کی صورت میں حسب ذیل آیات میں ملتا ہے۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّیۡحَةُ مُشۡرِقِیۡنَ۔ فَجَعَلۡنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ (سورۃ الحجر، آیت 74-75)

ترجمہ: اس پر اس موعود عذاب نے انہیں (یعنی لوطؑ کی قوم کو) دن چڑھتے ہی پکڑ لیا جس پر ہم نے اس بستی کی اوپر والی سطح کو اس کی نچلی سطح کر دیا اور ان پر سنگریزوں سے بنے پتھروں کی بارش برسائی۔

(4) ایسی آندھیوں کا مسلسل جاری رہنا جو مٹی اور ریت کے نتیجے میں بستیوں کو اس طرح دفنا دیں کہ محض دیکھنے کے لئے گھروں کے نشان باقی رہ جائیں۔

تُدَمِّرُ کُلَّ شَیۡءٍۭ بِاَمۡرِ رَبِّهَا فَاَصۡبَحُوۡا لَا یُرٰۤی اِلَّا مَسٰکِنُهُمۡ ؕ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ (سورۃ الاحقاف، آیت 26)

ترجمہ: یہ ہوا اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کرتی جائے گی نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر صبح ایسے وقت میں آئی کہ صرف ان کے گھر ہی نظر آتے تھے (سب قوم ریت میں دب گئی) اسی طرح ہم مجرم قوم کو سزا دیتے ہیں۔

(5) ایسے پے درپے سیلابوں کا آنا جو کسی خطۂ زمین کی ہیئت ہی بدل ڈالیں اور زرخیز طاقتور زمینوں کو بنجر اور بیکار زمینوں میں تبدیل کر دیں۔ جہاں بدذائقہ جنگلی پھلوں، جھاؤ جیسی جڑی بوٹیوں اور جنگلی بیریوں کے سوا اور کچھ نہ اگ سکے۔

فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ سَیۡلَ الۡعَرِمِ وَ بَدَّلۡنٰهُمۡ بِجَنَّتَیۡهِمۡ جَنَّتَیۡنِ ذَوَاتَیۡ اُکُلٍ خَمۡطٍ وَّ اَثۡلٍ وَّ شَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِیۡلٍ (سورۃ سبا، آیت 17)

ترجمہ: پھر بھی انہوں نے حق سے پیٹھ پھر لی تب ہم نے (ان کو حق پانے سے محروم قرار دیکر) ان پر ایسا عذاب بھیج دیا جو ہر چیز کو تباہ کرتا جاتا تھا اور ہم نے ان کے دو اعلیٰ درجہ کے باغوں کی جگہ ان کو دو ایسے باغ دیئے جن کے پھل بدمزہ تھے اور جن میں جھاؤ پایا جاتا تھا یا کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں۔

(6) زلازل کا آنا جن کے نتیجہ میں زمین تہہ و بالا ہوجائے اور انسانی آبادیاں دھنس جائیں۔

فَکَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا ۪ۙ فَدَمۡدَمَ عَلَیۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰىهَا (سورۃ الشمس، آیت 15)

ترجمہ: لیکن انہوں نے نبی کی بات نہ مانی بلکہ اس کو جھٹلایا اور وہ اونٹنی جس سے بچتے رہنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو خاک میں ملانے کا فیصلہ کر دیا اور ایسی تدبیریں کیں کہ ایسا ہی ہوگیا۔

(7) ایسی طویل خشک سالی جس سے زمین کا پانی بھی سوکھ جائے اور اتنا گہرا چلا جائے کہ اس کا نکالنا انسانی مقدرت سے بڑھ جائے۔ جیسے فرمایا:

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَصۡبَحَ مَآؤُکُمۡ غَوۡرًا فَمَنۡ یَّاۡتِیۡکُمۡ بِمَآءٍ مَّعِیۡنٍ (سورۃ الملک، آیت 31)

ترجمہ: تو یہ بھی کہہ دے کہ مجھے بتاؤ تو سہی کہ اگر تمہارا پانی زمین کی گہرائی میں غائب ہوجائے تو بہنے والا پانی تمہارے لئے خدا کے سوا کون لائے گا۔

(8) قحط کا ظاہر ہونا اور قوم کا شدید خوف و ہراس میں مبتلا ہوجانا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرۡیَةً کَانَتۡ اٰمِنَةً مُّطۡمَئِنَّةً یَّاۡتِیۡهَا رِزۡقُهَا رَغَدًا مِّنۡ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتۡ بِاَنۡعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَ الۡخَوۡفِ بِمَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ (سورۃ النحل، آیت 113)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (تمہیں سمجھانے کے لئے) ایک بستی کا حال بیان کرتا ہے جسے (ہر طرح سے) امن حاصل ہے اور اطمینان نصیب ہے ہر طرف سے اس کا رزق اسے بافراغت پہنچ رہا ہے پھر (بھی) اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ اس کی ناشکری پر اللہ نے اس کے باشندوں پر ان کے اپنے گھناؤنے عمل کی وجہ سے بھوک اور خوف کا لباس نازل کیا ہے۔

(9) قوموں اور ملکوں کا خوفناک جنگوں کے ذریعہ ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنا جس کے نتیجے میں مختلف قسم کی تکالیف کا المناک سلسلہ دیکھنا پڑے۔ جو کئی قسم کی تنگیاں اور مشکلات قوموں پر وارد کرتا ہے یہاں الضرآء سے مراد غالباً ایسی تمام سختیاں اور تکلیفیں ہیں جو بڑی بڑی جنگوں کے بعد عموماً قوموں کو گھیر لیتی ہیں مثلاً آزادیوں کو سلب ہونا۔ اقتصادیات کا تباہ ہونا۔ معاشرہ اور تہذیب و تمدن میں فساد ظاہر ہونا۔ وبائی امراض کا پھوٹنا وغیرہ وغیرہ۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَةٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ (سورۃ الاعراف، آیت 95)

ترجمہ: ہم نے کسی شہر کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا (مگر یوں ہی ہوا کہ) ہم نے اس میں بسنے والوں کو سختی اور مصیبت سے پکڑ لیا تا کہ وہ عاجزی اور زاری کریں۔

(10) پرندوں کا عذاب الٰہی بن کر کسی قوم پر اترنا۔ جیسے فرمایا:

وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡهِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۙ۔ تَرۡمِیۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۪ۙ۔ فَجَعَلَهُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ (سورۃ الفیل، آیت 4-6)

ترجمہ: اور ان (کی لاشوں) پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے (جو ان (کے گوشت) کو سخت قسم کے پتھروں پر مارتے (اور نوچتے) تھے۔ سو اس کے نتیجہ میں اس نے انہیں ایسے بھوسے کی مانند کر دیا جسے جانوروں نے کھالیا ہو۔

(11) کسی بڑی جھیل یا ڈیم کا اس طرح اچانک تباہ ہوجانا کہ گویا پوری کی پوری جھیل کسی قوم پر عذاب کی شکل میں الٹ گئی ہو۔

فَصَبَّ عَلَیۡهِمۡ رَبُّکَ سَوۡطَ عَذَابٍ۔ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالۡمِرۡصَادِ (سورۃ الفجر، آیت 14-15)

ترجمہ: جس پر تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا* برسایا۔ تیرا رب یقیناً گھات میں (لگا ہوا) ہے۔

[*سوط جوہڑ کو بھی کہتے ہیں یعنی اس نشیب دار زمین کو بھی سوط کہا جاتا ہے جہاں پانی جمع ہوجاتا ہے۔ (اقرب الموارد)]

(12) موسمی تغیرات کے نتیجہ میں خشکی تری اور ہوا کے ایسے جانوروں کا بکثرت پیدا ہوجانا۔ جو مشیت الٰہی کے مطابق کسی قوم میں عذاب کے سے حالات پیدا کر دیویں یا مختلف بیماریوں کی افزائش کا موجب ہوں مثلاً ٹڈی دل، مینڈک، جوئیں، پسو، مچھر اور اس قسم کے دوسرے حشرات الارض اور ایسے جراثیم جو خونی بیماریاں پیدا کر دیں مثلاً پیچش اور جریان خون سے تعلق رکھنے والی بیماریاں وغیرہ۔

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَ الۡجَرَادَ وَ الۡقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (سورۃ الاعراف، آیت 134)

ترجمہ: تب ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا۔ یہ الگ الگ نشان تھے۔

(13) کسی قوم پر ایسی دوسری قوم کو مسلط کرنا جو ان کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کریں اور ایسا ایمان لانے کے نتیجہ میں نہ ہو بلکہ دیگر عوامل اس کے ذمہ دار ہوں مثلاً یہود کے متعلق قرآن کریم کی یہ خبر کہ ان کے لئے مقدر کیا گیا ہے کہ قیامت تک ان پر ایسی قومیں مسلط رہیں جو انہیں طرح طرح کے عذاب دیں۔

وَ اِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبۡعَثَنَّ عَلَیۡهِمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ مَنۡ یَّسُوۡمُهُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیۡعُ الۡعِقَابِ ۚۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (سورۃ الاعراف، آیت 168)

ترجمہ: اور یاد کر جب تیرے رب نے اعلان کر دیا کہ ان (یہود) پر قیامت کے دن تک ایسے لوگ مقرر کر دے گا جو انہیں تکلیف دہ عذاب دیتے چلے جائیں گے (پھر کیا ایسا ہوا یا نہیں ہوا؟) تیرا رب یقیناً بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

عذاب کی جتنی قسمیں اوپر بیان ہوئی ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ چار معروف عناصر طبعی میں سے ان کا تعلق تین عناصر سے نظر آتا ہے لیکن چوتھے عنصر کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یہ سب عذاب کی قسمیں۔ مٹی، پانی یا ہوا سے تعلق رکھتی ہیں یا ان جانوروں سے تعلق رکھتی ہیں جو مٹی، پانی یا ہوا میں بسنے والے ہیں لیکن چوتھے عنصر یعنی آگ کے عذاب کا گذشتہ قوموں کے تعلق

میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ آگ کے ابتلاء سے نیک بندوں کی آزمائش کی گئی جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں اور سورۃ البروج کے بیان کردہ مضمون سے واضح ہے۔ لیکن جہاں تک آگ کے عذاب کا تعلق ہے۔ آگ کے عذاب کا اس دنیا میں گزری ہوئی امتوں کے بیان میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لیکن جہاں تک قرآن کریم کی پیشگوئیوں کا تعلق ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے مسلسل انکار کے نتیجہ میں قوموں کو آئندہ آگ کا عذاب بھی دیا جانا مقدر تھا۔ قرآن کریم کی مختلف آیات میں اس کا اشارۃً یا صراحتاً ذکر ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی ظِلٍّ ذِیۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ۔ لَّا ظَلِیۡلٍ وَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ اللَّہَبِ۔ اِنَّہَا تَرۡمِیۡ بِشَرَرٍ کَالۡقَصۡرِ۔ کَاَنَّہٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ۔ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ (سورۃ المرسلات، آیت 31-35)

ترجمہ: (ہم ان سے کہیں گے) جس چیز کو تم جھٹلاتے تھے اسی کی طرف جاؤ یعنی اس سائے کی طرف جاؤ جس کے تین پہلو ہیں۔ نہ تو وہ سایہ دیتا ہے اور نہ تپش سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ وہ اتنے اونچے شعلے پھینکتا ہے جو قلعے کے برابر ہوتے ہیں۔ اتنے اونچے کہ گویا وہ بڑے بڑے جہازوں کے باندھنے والے زرد رسے معلوم ہوتے ہیں اس دن جھٹلانے والوں پر تباہی آئے گی۔

اس آیت میں جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ زمانہ حاضرہ کی جنگوں سے بہت ملتا جلتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں پہلی مرتبہ جنگ کا مہیب سایہ تین نمایاں شعبے رکھتا ہے۔ فضائی، بری اور بحری۔ اور یہ تینوں شعبے آگ برسانے والے ہیں۔ اِنَّہَا تَرۡمِیۡ بِشَرَرٍ کَالۡقَصۡرِ میں قلعوں کی طرح جو بلند شعلے پھینکنے کا منظر ہے وہ بعینہٖ جدید آلات حرب کے آگ اگلنے کی تصویر ہے۔ اسی طرح سورۃ الھمزہ میں جس آگ سے ڈرایا گیا ہے اس کا بھی عہد حاضر سے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا:

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ۔ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ۔ یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ۔ کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِ۔ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحُطَمَۃُ۔ نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ۔ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَۃِ۔ اِنَّہَا عَلَیۡہِمۡ مُّؤۡصَدَۃٌ۔ فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ۔ (سورۃ الھمزہ، آیت 2-10)

ترجمہ: ہر غیبت کرنے والے اور غیب چینی کرنے والے کے لئے عذاب ہے۔ جو مال کو جمع کرتا ہے اور اس کو شمار کرتا رہتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کے نام کو باقی رکھے گا۔ ہرگز ایسا نہیں (جیسا کہ اس کا خیال ہے بلکہ) وہ یقیناً اپنے مال سمیت حطمہ میں پھینکا جائے گا اور (اے مخاطب!) تجھے کیا معلوم ہے کہ حطمہ کیا شے ہے؟ یہ (حطمہ) اللہ کی خوب بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں کے اندر تک جا پہنچے گی پھر وہ آگ سب طرف سے بند کر دی جائے گی تا کہ اس کی گرمی ان کو اور بھی زیادہ تکلیف دہ محسوس ہو اور وہ لوگ لمبے ستونوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے۔

یہاں کسی فرد کا نہیں بلکہ ایک قوم کا ذکر معلوم ہوتا ہے کیونکہ فرد واحد خواہ کیسا ہی امیر کیوں نہ ہو وہ کبھی بھی یہ وہم نہیں کر سکتا کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ کی زندگی عطا کر سکتا ہے۔ البتہ امیر قومیں جن کو دولت کا غلبہ نصیب ہو جائے، دولت کے بل بوتے پر ضرور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جایا کرتی ہیں کہ ان کا غلبہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ ان کو جس عذاب سے خبردار کیا گیا ہے وہ بھی ایسا آگ کا عذاب ہے جو اپنی شدت کی وجہ سے دلوں پر جھپٹتا ہے۔ یعنی آن واحد میں دلوں سے زندگی اچک لینے والا ہے۔ آج کل کے ایٹمی ہتھیار بالکل اس نقشہ پر پورا اتر رہے ہیں اور ایٹم بم کے پھٹنے سے پہلے اس کے مرکز کا کھینچ کر لمبا ہو جانا نیز حطمہ کے معنی ریزہ ریزہ کی ہوئی شئی یعنی باریک ترین ریزے، یہ دونوں امور بھی اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

بہرحال جس آگ کے عذاب کی خبر دی گئی ہے وہ اسی دنیا سے تعلق رکھتا ہے اور اسی کے نتیجہ میں اس متکبر، مال و دولت کے نشہ میں سرشار قوم کی تباہی معلوم ہوتی ہے جو اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے خواب دیکھ رہی ہو۔

مذکورہ بالا آگ کے عذاب کی پیش خبریوں کو اگر پہلے مضمون کے ساتھ ملا لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ چاروں عناصر یعنی پانی، مٹی، ہوا اور آگ اللہ تعالیٰ کے تصرف کے تحت عذاب کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں اور یہی وہ چاروں عناصر ہیں جو انعام کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ پس عذاب کے لئے طبعی قوانین کا مسخر ہونا ہرگز کسی اچنبے کی بات نہیں۔ لازماً ہر قسم کے نقصان اور فائدے انہیں طبعی عناصر کے ساتھ وابستہ ہیں۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ دنیا میں ہمیشہ ہر زمانے میں ایسے تغیرات ہوتے ہی رہتے ہیں جن کے نتیجے میں آگ، پانی، ہوا اور مٹی کبھی انسان کو فائدہ دے رہے ہوتے ہیں۔ کبھی نقصان، کبھی تنگی کے سامان پیدا کرتے ہیں۔ کبھی آسائش کے۔ تو کیوں بلاوجہ اس کو غیر معمولی تصرف الٰہی قرار دیا جائے؟ اور کیوں بعض حالات کو بعض اوقات عام طبعی تغیرات قرار دیا جائے اور بعض اوقات انہیں خاص تصرفات کا نام دیا جائے؟ جب سے دنیا بنی ہے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ کوئی نیا سوال نہیں۔ اور جدید زمانے کے انسان نے اس اعتراض کے ذریعہ ایسی نئی بات پیدا نہیں کی جو پہلے انسانوں کو نہ سوجھی ہو۔ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ بعینہٖ یہی اعتراض انبیاء پر کیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَہۡلَہَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّہُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ۔ ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الۡحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوۡا وَّ قَالُوۡا قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذۡنٰہُمۡ بَغۡتَۃً وَّہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ۔ (سورۃ الاعراف آیت 95-96)

ترجمہ: اور ہم نے کسی شہر کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا (مگر یوں بھی ہوا کہ) ہم نے اس میں بسنے والوں کو سختی اور مصیبت سے پکڑ لیا تا کہ وہ عاجزی اور زاری کریں۔ پھر ہم نے تکلیف کی جگہ سہولت کو بدل دیا یہاں تک کہ جب وہ ترقی کر گئے اور کہنے لگے کہ تکلیفیں اور سکھ تو ہمارے باپ دادوں پر بھی آیا کرتے تھے (اگر ہمیں آئے تو کوئی نئی بات نہیں) پس ہم نے ان کو اچانک عذاب سے پکڑ لیا اور وہ سمجھتے نہ تھے (کہ ایسا کیوں ہوا)۔

ہمارا یہ محض کہہ دینا کہ یہ اعتراض قدیم سے کیا جا رہا ہے کوئی مثبت تسلی بخش جواب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب تک ہم ان تغیرات کو جو عذاب الٰہی کا نام پاتے ہیں دوسرے عام تغیرات سے ممتاز کر کے اس طرح پیش نہ کریں کہ ایک بیّن فرق نظر آنے لگے اور دل مطمئن نظر آنے لگیں اور یہ کہ دونوں طبعاً ایک ہونے کے باوجود دونوں الگ الگ دائروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس وقت تک یہ مضمون مکمل نہیں ہو سکتا۔ قبل ازیں فرعون کی ہلاکت کے ذکر میں ایک ایسا پہلو بیان کیا جا چکا ہے جو فرعون کی ہلاکت کے طبعی سامان کو اس سے ملتے جلتے دوسرے واقعات سے قطعی طور پر ممتاز کر کے دکھاتا ہے۔ یعنی قرآن کی پیش گوئی کے مطابق فرعون کی لاش کا انتہائی مشکل حالات میں محفوظ رکھا جانا اور سینکڑوں سال کے بعد دریافت ہو کر انسان کے لئے عبرت کا نشان بننا، اس واقعہ کو عذاب الٰہی ثابت کرنے کا ایک ٹھوس ثبوت پیش کرتا ہے لیکن اس پر بات ختم نہیں ہو جاتی۔ قرآن کریم ایسے نمایاں اور واضح دلائل پیش کرتا ہے جس پر غور کرنے سے ایک منصف مزاج کی عقل آسانی مطمئن ہو سکتی ہے۔

عذاب الٰہی کا نظام اگرچہ ایک پہلو سے عام طبعی قوانین سے تعلق رکھتا ہے مگر بعض دوسرے پہلوؤں سے ایسی الگ اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے کہ دونوں میں نمایاں فرق ہو جائے۔ اس حصہ مضمون پر ہم آئندہ روشنی ڈالیں گے۔ انشاء اللہ۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ یہ سوال بھی زیر بحث لائیں گے کہ جب کوئی قوم عذاب الٰہی میں مبتلا کی جائے یا کسی قوم پر عذاب الٰہی نازل ہونے کی خبر دی جائے تو مومنین کی جماعت پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ان کا کیا ردعمل ہونا چاہئے۔ مضمون کا یہ حصہ موجودہ زمانہ میں جماعت احمدیہ کی صحیح تربیت کے لحاظ سے بہت اہم ہے اور اس بارہ میں لاعلمی کے نتیجہ میں اس بات کا احتمال ہے کہ بعض احمدی ایسا ردعمل دکھائیں جو سنت انبیاءؑ اور مومنوں کی شان کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

بقیہ: انبیاء اور ترتیب قرآن ...... از صفحہ 8

پہلے سلسلہ میں نوح اور اس کے تابع رسول آئے۔ دوسرا ابراہیمی سلسلہ ہے۔ اس کے دو حصے ہو گئے: ایک اسماعیل اور دوسرا بنو اسحاق۔ اسحاق والے سلسلہ میں ایک تو عمومی وحی ہے۔ جو اسحاق سے عیسیٰ تک ممتد ہے۔ ایک خصوصی وحی ہے جو موسیٰ پر نازل ہوئی۔ ایک وحی تابع نبیوں پر اتری۔ اس کی مثال ہارون اور سلیمان سے دی گئی۔ نظم کی صورت میں وحی کا نزول داؤد سے مخصوص ہے۔

تیسرا سلسلہ آلِ ابراہیم سے باہر کے لوگوں سے تعلق رکھتا ہے اس میں ایوب اور یونس کا ذکر ہے۔ ایوب اہل مشرق کے پیغمبر تھے اور یونس نینوی کے۔ قرآن حکیم میں اشارہ ہے کہ یونس اسرائیلی نبی تھے۔ اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے۔ اسی طرح قرآن حکیم نے ایوب کو ذریت ابراہیم سے الگ رکھا ہے۔ ہارون وسلیمان کا الگ ذکر اس لئے کیا یہ دونوں تابع نبی تھے۔ پہلے نبی کے مشن کو پورا کرنے والے تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کریم رب العالمین کا دیا ہوا تحفہ ہے۔ اس تحفہ کو قبولیت کی نگاہوں سے دیکھا جائے اور پڑھا جائے تو علم کا یہ ایک بحر عظیم ہے۔ اس کو تفکر و تدبر سے پڑھنے کے بارہ میں حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں

’’سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو ...... تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں‘‘۔

(کشتی نوح - روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۷)

’’قرآن شریف تدبّر و تفکّر و غور سے پڑھنا چاہیے۔ ...... تلاوت کرتے وقت جب قرآن کریم کی آیتِ رحمت پر گزر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ سے رحمت طلب کی جاوے اور جہاں کسی قوم کے عذاب کا ذکر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ کے عذاب سے خدا تعالیٰ کے آگے پناہ کی درخواست کی جاوے اور تدبّر و غور سے پڑھنا چاہئے اور اس پر عمل کیا جاوے۔‘‘

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 157 جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن کریم پر گہرا تدبر کرنے اور پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆...☆...☆

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION
Download on the App Store
Google play
اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

انبیاء اور ترتیب قرآن حکیم

(فراز یاسین ربانی۔ نمائندہ روزنامہ الفضل لندن (آن لائن)

اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ ﴿ۚ القیمۃ۱۸﴾

ترجمہ: یقیناً اس کا جمع کرنا اور اس کی تلاوت ہماری ذمہ داری ہے۔

قرآن پاک کی تدوین و ترتیب کا ذمہ خود حکیم خدا نے اٹھایا مگر بعض نادان قرآن اور قرآنی ترتیب سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ قرآن ایک بے ترتیب کتاب ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ قرآن کریم کے مضامین کا آپس میں ایک عمیق ربط ہے اور قرآن عظیم کا اعجاز اور معجزہ ہی یہ ہے کہ اس کے مضامین آپس میں ایک خوبصورت لڑی کے طور پر منسلک ہیں۔ کچھ ایسا ہی قرآن پاک میں انبیاء کی ترتیب کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ کسی ترتیب اور ربط کے بغیر ہی ان کا ذکر قرآن میں ہوا ہے۔ مگر قرآن کریم میں بعض جگہ روحانی اور باطنی مناسبت، بعض جگہ مضامین کے اعتبار سے انبیاء کا انتخاب کیا گیا۔ مثال کے طور پر

سورۃ الانعام میں ہدایت کے نقطہ نظر سے انبیاء کے نو جوڑوں کا ذکر ہے اور آیت نمبر ۸۵ میں کُلًّا ھَدَیۡنَا میں ہدایت کی مناسبت کی طرف اشارہ کر دیا۔ انبیاء کا بیان آیت نمبر ۸۴ سے آیت نمبر ۸۷ تک ہے۔ ان نو جوڑوں میں ایک خوبصورت مناسبت ہے۔ ان نبیوں کی ارواح میں ایک ازلی تعلق اور پیوند ہے۔ گویا یہ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں۔ سلسلۂ ہدایت سے ان کا خصوصی تعلق ہے۔

۱۔ نوح، ابراھیم ۲۔ اسحاق، یعقوب ۳۔ داؤد، سلیمان ۴۔ ایوب و یوسف ۵۔ موسیٰ، ہارون ۶۔ زکریا و یحییٰ ۷۔ عیسیٰ، الیاس ۸۔ اسماعیل، الیسع ۹۔ یونس، لوط

۱۔ **پہلا جوڑا نوح و ابراھیم کا ہے۔** قرآن حکیم میں ہے

وَ اِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِہٖ لَاِبۡرٰہِیۡمَ (الصّٰفّٰت:۸۴)

کہ ابراھیم، نوح کی شیعہ (گروہ) سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر فرمایا کہ نوح کی بعثت یعنی دور نبوت امت میں 950 سال تک تھا۔ تا آنکہ ابراھیم پیدا ہو گئے۔ گویا ابراھیم روحانی مناسبت کے لحاظ سے نوح سے ملحق تھے۔ ابراھیم نوح ثانی تھے۔

۲۔ **اسحاق اور یعقوب کا جوڑ واضح ہے۔** یعقوب کے معنے جانشین کے ہیں۔ حضرت اسحاق کے روحانی جانشین بڑے بیٹے نہیں تھے بلکہ یعقوب تھے۔

۳۔ **داؤد اور سلیمان** بھی ظاہری اور باطنی پیوند میں جڑے ہوئے ہیں۔ سلیمان، داؤد کے مشن کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے۔

۴۔ **ایوب و یوسف** دونوں گوناگوں مناسبتیں رکھتے ہیں۔ ان دونوں کا زمانہ ایک ہے۔ دونوں ایک عظیم ابتلا میں سے بچ کر نکلے۔ ایک طرف برادران یوسف نے دغا کیا۔ دوسری طرف حضرت ایوب کے دوست خاندان اور کنبہ والے ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ ایوب اور یوسف دونوں غریب الوطن ہو کر سرفراز ہوئے۔ ایوب اہل مشرق یعنی عربوں میں سب سے بڑے آدمی تھی۔ (ایوب باب ۱ آیت ۳) یوسف اسرائیلی خاندان کے چشم و چراغ دونوں ہمعصر نبی تھے۔ نامساعد حالات سے گذر کر مقتدر ہوئے۔

۵۔ **موسیٰ، ہارون** ایک ہی مشن والے دو پیغمبر تھے۔

۶۔ **زکریا۔ یحییٰ**، باپ بیٹا ایک جوہر کے دو ٹکڑے تھے۔

۷۔ **عیسیٰ و الیاس** میں روحانی مناسبت کچھ تفسیر چاہتی ہے۔

عیسیٰ کی بعثت سے پہلے الیاس دوبارہ یحییٰ کی صورت میں آئے۔ مسیح کی آمد ثانی سے پہلے ایک الیاس کا آنا پیشگوؤں میں موجود تھا۔ الیاس، عیسیٰ اور موسیٰ تینوں میں ایک روحانی مناسبت ہے۔ انجیل میں لکھا ہے حواریوں نے کشفی رنگ میں موسیٰ، الیاس اور حضرت مسیح کو ایک پہاڑ پر گھل مل کر باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ (متی ۱۷ باب)۔ یاد رہے دونوں کی آمد ثانی سے مراد ان کی روحانی آمد ہے۔

۸۔ **اسماعیل اور الیسع**۔ ان دونوں پیغمبروں نے صبر کا اعلیٰ نمونہ دیکھایا۔ اسماعیل ذبیح اللہ کہلاتے ہیں۔ الیسع آرے سے چیر دئے گئے

الیسع نے ’’عرب کی بابت الہامی کلام‘‘ کے عنوان سے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی پیشگوئی کی ہے۔ فرمایا۔ صحرائے عرب میں اقراء کی صدا بلند ہو گی۔ کہا جائے گا۔ پڑھ۔ مورد وحی کہے گا کیا پڑھوں؟ اس کے بعد عظیم الشان انقلاب روحانی کی پیشگوئی ہے۔ ایک بانجھ قوم کے متعلق خبر دی کہ وہ اولاد والی ہو گی۔ اور نونہال ہو جائے گی۔ الیسع پیغمبر نے بڑی کثرت سے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں بشارات دی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ بنو اسماعیل کے قبائل جوق در جوق بیت اللہ کی طرف آئیں گے۔ اور برکتوں سے جھولیاں بھریں گے۔ بنو اسماعیل کے متعلق یسعیاہ نبی کی بشارت اس روحانی پیوند کا نتیجہ ہے۔ جو ازل سے ان دو پیغمبروں کی روحوں کو حاصل ہے۔

۹۔ **یونس و لوط**۔ یونس مچھلی کے پیٹ اور ظلمات بحر سے بچائے گئے۔ لوط آتش افشانی دہانوں سے۔ (پیدائش باب 14 آیت 10)۔ لوط کا وطن عراق تھا۔ مبعوث ہوئے فلسطین میں۔ سدوم و عمورہ بستیوں کی طرف یہاں کے لوگوں کو قوم لوط کہا گیا۔ یونس بھی عراق کے تھے۔ پہلے کنعان کی ایک بستی ’’جات حضر‘‘ میں پیغام حق سنایا۔ پھر نینویٰ کی طرف نذیر بنا کر بھیجے گئے۔ عراق کے بعض قبائل اسرائیل کے شمال اور اسی طرح سدوم وعمورہ بستیوں میں بسے ہوئے تھے۔ (نحمیاہ باب 8 آیت 8، حزقی ایل باب 23 آیت 12-17، ایوب باب 1 آیت 17) دونو ں علاقوں میں ایسے پیغمبروں کو بھیجا گیا۔ جن کا وطن عراق تھا۔ روحانی مناسبت اور آسمانی پیوند اس کے علاوہ ہے۔

سورۃ الاعراف مکی سورۃ ہے۔ اس سورت میں تاریخی ترتیب ملحوظ خاطر رکھی گئی ہے۔ اس سورت میں آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک بعض انبیاء کا ذکر ہوا ہے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۲۰ میں حضرت آدم کا ذکر ہے۔ پھر آیت نمبر ۶۰ میں حضرت نوح کا ذکر ہے، آیت نمبر ۶۶ میں حضرت ھود کا ذکر ہے، آیت نمبر ۷۴ میں حضرت صالح کا ذکر کیا، اس کے بعد آیت نمبر ۸۱ میں حضرت لوط کا بیان ہے، آیت ۸۶ میں حضرت شعیب کا بیان ہے، آیت ۱۰۴ سے حضرت موسیٰ اور اس کے بعد اسباط موسیٰ کا ذکر ہے۔ یہ ترتیب تاریخی لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔

سورۃ البقرۃ میں بھی انبیاء کا ذکر ہے۔ اس میں چھ نبیوں کا بالترتیب ذکر ہوا۔ ابراھیم۔ اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اسباط موسیٰ، عیسیٰ علیھم السلام۔ یہاں ترتیب تاریخی ہے۔

سورۃ النساء میں بھی انبیاء کا ذکر موجود ہے۔ اس جگہ وحی کے اعتبار سے سلسلوں کا ذکر ہے۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۶۴ کا آغاز ہی انّاۤ اَوۡحَیۡنَا سے ہوتا ہے۔ اس میں نزول وحی کے اعتبار سے سلسلہ انبیاء کا ذکر ہے۔ اس میں بارہ نبیوں کا ذکر ہے: نوح، ابراھیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب مع اسباط۔ عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون، سلیمان، داؤد، موسیٰ علیھم السلام۔ انا اوحینا کلید ہے جو کہ ترتیب کے عقدہ کو کھولتی ہے۔

سورۃ النساء میں نزول وحی کے اعتبار سے سلسلۂ انبیاء کا ذکر ہے۔ فرمایا:

اس جگہ وحی کے اعتبار سے مختلف سلسلوں کا ذکر ہے۔

پہلا سلسلہ نوح کا ہے۔ دوسرا ابراھیمی سلسلہ۔ تیسرا عربوں کی امم قدیمہ میں نزول وحی کا۔

بقیہ صفحہ 7 پر

طلوع وغروب آفتاب

یکم جولائی 2020ء	طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ	04:14	19:07
مدینہ منورہ	04:06	19:15
قادیان	03:47	19:38
ربوہ	03:27	19:18
اسلام آباد ٹلفورڈ	03:23	21:21